پروفیسر حافظ احمد یار

سُورۃ البقرۃ (٨)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورت کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ بحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ١، الاعراب کے لیے ٢، الرسم کے لیے ٣ اور الضبط کے لیے ٤ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ١ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ (مثلاً ٢ : ٥ : ١ (٣) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ٢ : ٥ : ٣ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم ـــــ (وھکذا)۔

٢ : ٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ[۱] بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

---

[۱] صرف "شامی" گنتی کے مطابق "الیم" پر آیت ختم ہوتی ہے جس کو ۵ کے نشان سے ظاہر کیا گیا ہے۔ باقی کسی گنتی کے مطابق یہاں ("الیم" پر) آیت نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

۲ : ۸ : ۱ اللغۃ

۲ : ۸ : ۱ (۱) [**يُخَادِعُوْنَ**] اس لفظ (جو عام عربی املاء میں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ اس کے عثمانی رسم پر بات آگے بحث الرسم میں آئے گی) کا مادہ " خ د ع " اور وزن " يُفَاعِلُوْنَ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " خدَع ..... يخدَع خَدْعًا (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے ایک بنیادی معنی " کپڑے کو دوہرا کر کے اس کا ایک حصہ چھپا لینا " ہیں۔ پھر اس سے یہ فعل "..... کو دھوکا دینا ' ..... کو فریب دینا '..... کو دغا دینا '..... کو چکما دینا اور ..... کے ساتھ چالبازی کرنا" کے معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے (مندرجہ بالا تمام معانی قرآن کریم کے مختلف اردو مترجمین نے استعمال کئے ہیں)۔ اور اس فعل کے بعض دوسرے معانی اور استعمالات میں بھی یہ معنی جھلکتے محسوس ہوتے ہیں مثلاً " بازار کا مندا ہونا " ' " بارش کا کم ہونا " ' یا " لعابِ دہن کا خشک ہونا " وغیرہ میں[۱] ـــ تاہم قرآن کریم میں یہ فعل ان مؤخر الذکر معنوں میں سے کسی کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں اس فعل ثلاثی مجرد سے فعل مضارع کے صرف دو صیغے (دو جگہ) آئے ہیں اور اسم فاعل کا صیغہ صرف ایک جگہ آیا ہے ـــ اور تینوں جگہ یہ صرف " دھوکا ' فریب اور دغا " والے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔

● " يُخَادِعون " اس مادہ (خدع) سے باب مُفاعلہ کا فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ خِداع یا مُخَادَعَة (جو اس مادہ سے باب مفاعلہ " خادَع يخادِع " کے مصدر ہیں) ـــ کو اہلِ لغت ثلاثی مجرّد فعل (جس کے معنی اوپر بیان ہوئے ہیں) کے ہم معنی ہی قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس میں دو طرفہ فعل (بین اثنین) مراد لینا (جو عموماً باب مفاعلہ کی ایک خصوصیت بیان کی جاتی ہے) لازمی نہیں۔ اس لئے کہ باب مفاعلہ میں " یک طرفہ " (بغیر مشارکت) افعال کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً " عاقَبَ اللِصَّ " (چور کو سزا دی) یا " عافاہ اللّٰہ "

---

[۱] دیکھئے مفرداتِ راغب یا کوئی بھی اچھی عربی ڈکشنری۔

d.com

(اللہ نے اسے عافیت دی) وغیرہ میں ــــ البتہ بعض اہلِ لغت نے اس مادہ (خدع) سے باب مفاعلہ اور مجرد کے معنوں میں یہ باریک فرق بیان کیا ہے[۱] کہ مخادعۃ یا خداع (جو باب مفاعلہ کے مصدر ہیں) کے معنی ہیں "کسی کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش کرنا" جب کہ خَدْعٌ (جو ثلاثی مجرد کا مصدر ہے) کے معنی ہیں "کسی کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جانا" ــــ اور بعض نے خِداع (مفاعلہ) کے معنی "بکثرت اور بار بار دھوکا دینے کی کوشش کرنا" بھی بیان کئے ہیں ــــ اور اس مادہ (خدع) سے فعل ثلاثی مجرد اور باب مفاعلہ کے معنوں کے فرق کی یہ بات ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ ابھی آگے اسی آیت میں ــــ لفظ "یَخْدَعُوْنَ" (ثلاثی مجرد سے) بھی آ رہا ہے (بروایت حفص) ــــ

● یہ دونوں فعل (مجرد یا مفاعلہ سے) بطور فعل متعدی اور بغیر کسی صلہ کے استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی "خَدَعَہ" اور خادَعَہٗ" کہیں گے اور جیسا کہ آپ اسی آیت میں ملاحظہ کریں گے (اور ابھی آگے بیان "اِعراب" میں اس کی وضاحت آ رہی ہے)۔ قرآن کریم کے اردو مترجمین نے "یخادعون" کا ترجمہ "فریب[۱] دیتے، دغا[۲] بازی کرتے، چالبازی[۳] کرتے، دھوکا[۴] دیتے، فریب[۵] دیا چاہتے، چکما[۶] دیتے اور دھوکا[۷] دینا چاہتے (ہیں) سے کیا ہے۔ آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ مذکورہ تراجم میں سے بعض میں "دھوکا دینے کی کوشش کرنے" کا مفہوم موجود ہے مثلاً ۳ و ۵ و ۷ میں۔

[اللّٰہَ] کے مادہ اور اشتقاق کی بحث گزر چکی ہے دیکھئے ۱:۱:۱ (۲)

[وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا] یہ وَ + الذین + آمنوا کا مرکب ہے۔ ان تینوں کلمات کے معنی وغیرہ پر بات ہو چکی ہے۔ "وَ" (جو یہاں عاطفہ بمعنی "اور" ہے) کے لیے دیکھئے ۱:۴:۱ (۳)

---

[۱] مثلاً LANE کی تاج القاموس اور اقرب الموارد تحت مادۃ "خدع" نیز قاموس القرآن زیر مادۃ۔

© rasailojaraid.com

" الَّذِیْنَ " کے معنی و استعمال کے لئے دیکھئے ۱:۱:۶(۱) - یہاں اس کے معنی ہیں " وہ لوگ جو "

" آمنوا " جو مادہ " ا م ن " سے باب اِفعال فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے (یعنی وہ ایمان لائے) اس کے معنی وغیرہ کے لئے دیکھئے ۲:۲:۱(۱)

۲:۸:۱(۲) [وَمَا یَخْدَعُوْنَ] یہ وَ + مَا + یَخْدَعُوْنَ کا مرکب ہے - اس میں " وَ " عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور حالیہ بھی بہر حال اردو ترجمہ " اور " سے ہی کیا گیا ہے اور اردو میں یہی " اور " حالیہ (بمعنی " حالانکہ ") بھی استعمال ہوتا ہے - اس " وَ " کے استعمال پر مفصل بات ہو چکی ہے دیکھئے ۱:۴:۱(۳)

" مَا " یہاں نافیہ ہے جو فعل (یخدعون) پر داخل ہو کر اس میں نفی کے معنی پیدا کرتا ہے یعنی " وہ دھوکا نہیں دیتے "- مَا کے مختلف معانی اور استعمالات پر ۲:۲:۱(۵) میں بات گزر چکی ہے -

" یَخْدَعُوْنَ " کا مادہ " خ د ع " اور وزن " یَفْعَلُوْنَ " ہے یہ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد (باب فتح سے) کے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، جس کے معنی وغیرہ پر ابھی اوپر بحث ہو چکی ہے — ۲:۸:۱(۱) میں -

[اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ] یہ اِلَّا + اَنْفُس + ھُمْ کا مرکب ہے- آخری ضمیر مجرور (ھم) تو یہاں " ان کے " یا " ان کی " یا " اپنی " کے معنی میں آیا ہے - " اِلَّا " اور " انفس " کے معنی و استعمال کی تفصیل یوں ہے :-

۲:۸:۱(۳) " اِلَّا " حرف ہے جو زیادہ تر استثناء کے لئے آتا ہے اور اس کے استعمال کی چند صورتیں ہیں :-

۱- " اِلَّا استثنائیہ " جس کے بعد والی عبارت یا اسم کو مستثنیٰ (ما بعد

یعنی " اِلَّا " سے پہلے والی عبارت کے حکم سے نکالا ہوا) کہتے ہیں۔
اس ماقبل یعنی اِلَّا سے پہلے آنے والی عبارت (یا اسم) کو مستثنیٰ مِنْہ
کہتے ہیں (یعنی وہ جس کے حکم سے (کسی کو) نکال دیا گیا)۔ اس " اِلَّا " کے
استعمال اور خصوصاً مستثنیٰ کے اعراب کے کچھ قواعد ہیں۔ اور موقع استعمال

اور طریقۂ استعمال کے مطابق اسے (مستثنیٰ کو) متصل، منقطع، مقدم اور
مفرّغ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اگر " مستثنیٰ باِلَّا " کے قواعد ذہن میں مستحضر نہ ہوں
تو نحو کی کسی کتاب میں ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ عموماً مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔
اس لئے اس کا ذکر منصوبات کے ضمن میں ہی ملے گا۔

۲۔ اِلَّا اسمیہ: کبھی " اِلَّا " " غیر " کے معنوں میں اپنے مابعد (مستثنیٰ) سے
مل کر اپنے سے ماقبل کی صفت (یا نعت) کے طور پر بھی استعمال ہوتا
ہے۔ اس وقت اسے اِلَّا اسمیہ (بمعنی " غیر ") کہتے ہیں۔ اس (اِلَّا اسمیہ کی)
صورت میں اس کا ماقبل ہمیشہ " جمع نکرہ " ہوتا ہے جیسے آیۂ کریمہ " لَوْ كَانَ
فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا " (الانبیاء: ۲۲) یعنی اگر کوئی " غیر اللہ "
آلھۃ ــ ہوتے تو......

مندرجہ بالا دونوں صورتوں (یعنی اِلَّا استثنائیہ یا اسمیہ) میں " اِلَّا " کا اردو
ترجمہ حسب موقع عموماً " .....کے سوا، بجز، مگر، لیکن، مگر.....نہیں،
.....کو چھوڑ کر، بلکہ، بلکہ اس لئے کہ......،......کو " ــــ یا اس سے
ملتے جلتے ہم معنی لفظوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ (اِلَّا) انگریزی
کے OTHER THAN , BUT NOT , BUT , EXCEPT یا
NO OTHER THAN کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ " اِلَّا " عاطفہ: کبھی " اِلَّا " " وَلَا " کے معنوں میں استعمال ہوتا
ہے۔ اس وقت اسے " اِلَّا عَاطِفَة " کہتے ہیں۔ اور اس کا اردو ترجمہ
" اور نہ " ، یا " اور نہ ہی " سے کیا جانا چاہیئے۔ جیسے " لِئَلَّا

© rasailojaraid.com

یکونَ للناسِ علیکم حجّۃٌ اِلّا الّذِین ظلموا (البقرہ : ۱۵۰)
میں ۔

۴ اِلّا شرطیہ : کبھی " اِلّا " دراصل " اِنْ لَا " کی مخفف شکل ہوتی ہے۔
اسے " اِلّا شرطیہ" کہتے ہیں اور یہ کسی منفی فعل سے پہلے آتا ہے ۔ اس کا اردو
ترجمہ " اگر نہ ...... " ہوتا ہے ۔ اس کا استثناء والے " اِلّا " سے کوئی تعلق نہیں
ہوتا ۔

" اِلّا " کی ان مختلف صورتوں کی مزید وضاحت اپنے اپنے موقع پر ہوگی ۔
انشاء اللہ آیت زیرِ مطالعہ میں اِلّا استثنائیہ ہے اور اس کا اردو ترجمہ " مگر" .....
" بجز" ..... " ..... کے سوا " کے ساتھ ہوگا

۱:۸:۲ (۴) " **اَنْفُسَھُمْ** " جو انفس + ھم کا مرکب ہے اس میں "ھمْ"
تو ضمیرِ مجرور بمعنی " ان کے " " ان کی " یا " ان کی اپنی " یا " ان کے اپنے "
ہے ۔ اور کلمہ " انفس " جمع ہے جس کا واحد " نَفْسٌ " ہے جس کا مادہ
" ن ف س " اور وزن " فَعْلٌ " ہے (صیغۂ جمع کا وزن " اَفْعُلٌ " ہے.
اس مادہ (نفس) سے فعل ثلاثی مجرد مختلف ابواب (نصر، سمع اور کرم)
سے مختلف مصادر کے ساتھ مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے (مثلاً
نفیس ہونا ۔ تنگ نظر ہونا ۔ بچّہ جَننا وغیرہ) ۔ تاہم قرآن کریم میں اس ثلاثی مجرد)
سے کوئی فعل استعمال ہی نہیں ہوا ۔ البتّہ مزید فیہ کے باب " تفعّل " اور
" تفاعل " سے ایک ایک صیغۂ فعل آیا ہے ۔ جس کا بیان اپنی جگہ آئے گا۔
ان شاء اللہ ۔

● لفظ " نفس " جس کی جمع مکسر " نفوس " اور " انفس " ہیں (اور
یہ دونوں جمعیں قرآن کریم میں مستعمل ہیں) ۔ اپنے " استعمالات " کے لحاظ سے
یہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے ۔ اردو میں اس کا ترجمہ حسبِ موقع " جان، جاندار،
شخص، فرد، ذات، جی (دل یا باطن) اور کبھی خود یا اپنا آپ " سے کیا جاتا
ہے ۔ اور کبھی اس کے معنی " جنس و نوع " اور " خواہش و میلان "،

d.com

کے بھی لئے جا سکتے ہیں ۔ اور انگریزی میں جو مختلف ضمائر THEM, HIM , HER
MY, OUR وغیرہ کے ساتھ SELF یا SELVES لگا کر " خود ، بذاتِ خود ،
آپ ہی ، اپنے آپ کو " وغیرہ کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ عربی میں یہ معنی لفظ
" نفس " یا اس کی جمع (انفس) کو مناسب ضمیر کی طرف مضاف کر دینے سے
پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً " نفسہ ، نفسہا ، نفسک ، نفسی " یا انفسہم
" انفسہن ، انفسکم ، انفسنا " ـــ (اور یہ تمام تراکیب قرآن کریم میں وارد ہوئی
ہیں) ـــ اور اس (قسم کی تراکیب) میں لفظ " نفس " یا " انفس " کی فاعلی ،
مفعولی یا اضافی حالت (رفع نصب جر) کے مطابق " آپ یا خود یا اپنا ، اپنے ،
اپنی " وغیرہ کے ساتھ ترجمہ کیا جائے گا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہاں (آیتِ زیرِ مطالعہ
میں) اردو مترجمین نے " اَنفُسَہُم " کا ترجمہ " جانوں اپنی کو " اپنے آپ کو ،
اپنی ذات کو ، یا اپنی جانوں کو " یا " اپنے کو " سے کیا ہے اور ان میں سے زیادہ
بامحاورہ " اپنے آپ کو " ہی ہے ۔ لفظ " نفس " مختلف صورتوں ـــ (واحد
جمع ، مفرد مرکب) ـــ میں قرآن کریم میں ۲۹۵ جگہ وارد ہوا ہے ۔

۲:۸:۱(۵) [**وَمَا يَشْعُرُونَ**] جو وَ + مَا + يَشْعُرُونَ سے
مرکب ہے اس میں " وَ " بمعنی " اور " ہے اور یہاں اس کا بامحاورہ ترجمہ " مگر "
یا " لیکن " سے بھی کیا جا سکتا ہے ـــ اور " مَا " نافیہ (بمعنی نہیں) ہے
جو فعل پر داخل ہوئی ہے جس سے اس کے معنی منفی ہو گئے ہیں ۔ اور کلمہ " یشعرون "
کا مادہ " ش ع ر " اور وزن " یَفْعُلُونَ " ہے ۔

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد عموماً " شَعَرَ یَشْعُرُ شَعْرًا (باب نصر سے)
آتا ہے اور اس کے معنی " جاننا ، محسوس کرنا یا سمجھنا " ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں
یہ فعل اسی باب سے اور ان ہی معنی میں استعمال ہوا ہے (۲۵ جگہ) اور ہر جگہ فعل
بصیغۂ مضارع آیا ہے ـــ عربی زبان میں یہ مادہ (شعر) اسی باب (نصر)
سے اور بعض دیگر ابواب مجرد (مثلاً سمع) سے بعض دیگر معانی (مثلاً شعر کہنا ،

© rasailojaraid.com

بال زیادہ ہونا وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاہم ان کا استعمال قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ اس (مادہ سے) مزید فیہ کے بھی صرف بابِ افعال سے دو ہی صیغے قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں۔ افعال کے علاوہ اس مادہ (شعر) سے بعض اسماء مشتقہ و جامدہ (مثلاً شِعر، شاعر، شعائر، شعریٰ، مشعر وغیرہ) بھی قرآن کریم میں وارد ہوئے۔ جن پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

● یہ فعل (شعَر یشعُر) بنیادی طور پر متعدی ہے۔ تاہم عموماً اس کے ساتھ اس کا مفعول مذکور نہیں ہوتا۔ اگر اس کے ساتھ مفعول بیان کرنا ہو تو پھر فعل کے ساتھ "باء" (بِ) کا صلہ آتا ہے مثلاً کہیں گے "شعر بہ" (اسے جان لیا، اسے سمجھ گیا)۔ تاہم قرآن کریم میں یہ فعل (ثلاثی مجرد) ہر جگہ ذکرِ مفعول کے بغیر ہی آیا ہے۔ اگرچہ یہ محذوف مفعول تقدیراً موجود (UNDERSTOOD) ہوتا ہے۔ جسے سمجھا جا سکتا ہے یعنی "وَمَا يَشْعُرُونَ بِهٖ" کی صورت میں یہی وجہ ہے کہ بعض اردو مترجمین نے اس محذوف مفعول کو ملحوظ رکھتے ہوئے "وَمَا يَشْعُرُونَ" کا ترجمہ "وہ "اس کا شعور نہیں رکھتے"، "(اس بات کو) نہیں سمجھتے"، "اس کا احساس نہیں رکھتے"، اور اس سے بے خبر ہیں" کی صورت میں کیا ہے۔

● یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ "بے خبر ہیں" کے ساتھ ترجمہ کو مفہوم اور محاورے کی رُو سے درست بھی سمجھا جائے تب بھی لغت اور الفاظ کے لحاظ سے یہ محلِ نظر ہے۔ اس لیے کہ اوّل تو منفی جملہ فعلیہ (مایشعرون) کا ترجمہ مثبت جملہ اسمیہ سے کر دیا گیا ہے۔ دوسرے "بے خبر" مایشعرون سے زیادہ "غافلون" کا ترجمہ لگتا ہے۔ اگر "خبر نہیں رکھتے" ہوتا تو لفظ سے قریب تر ہوتا۔

● بعض مترجمین نے مفعول (غیر مذکور) کو ترجمہ میں نظر انداز کرتے ہوئے لفظی ترجمہ سے قریب رہنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں زیادہ تر نے "نہیں سمجھتے" ہی سے ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے "نہیں بوجھتے" اور بعض نے "نہیں سوچتے"

d.com

بھی کیا ہے جو " یشعرون " سے زیادہ " یتفکرون " کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

۲ : ۸ : ۱ (۶) [**فِیْ قُلُوْبِهِمْ**] یہ فی (بمعنی "میں") + قُلُوب (دلوں) + ھم (ضمیر مجرور بمعنی "ان کے") کا مرکب ہے۔ لفظ " قلوب " جمع مکسّر ہے اس کا واحد " قَلْبٌ " ہے جس کا مادہ " ق ل ب " اور وزن " فَعْلٌ " ہے۔ اس کی جمع " فُعُوْلٌ " کے وزن پر آئی ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد اور لفظ " قلب " کے معنی وغیرہ پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ دیکھئے ۲ : ۶ : ۱ (۲) میں۔

۲ : ۸ : ۱ (۷) [**مَرَضٌ**] کا مادہ " م ر ض " اور وزن " فَعَلٌ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " مَرِضَ یَمْرَضُ مَرَضاً (زیادہ تر باب سمع سے) اور شاذ باب نصر سے (مَرَضَ یمرُض) آتا ہے جس کے معنی " بیمار ہونا " یا " بیمار ہو جانا " ہوتے ہیں۔ یعنی یہ فعل لازم ہے۔ قرآن کریم میں اس (فعل مجرد) سے صرف ایک صیغہ " مَرِضْتُ " صرف ایک جگہ (الشعراء : ۸۰) آیا ہے۔ اس مادے سے مزید فیہ کا کوئی فعل یا اسم مشتق قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا ــــ البتّہ " مَرَض " ، " مریض " (اور اس کی جمع) " مَرْضٰی " کے الفاظ بصورت معرفہ یا نکرہ مختلف حالتوں میں ۲۳ جگہ آئے ہیں۔

● لفظ " مَرَض " اس مادہ کے فعل ثلاثی مجرد کے متعدد مصادر میں سے ایک مصدر اور اسم ہے جو " بیمار ہونا " یا " بیماری " کے معنوں میں آتا ہے۔ اس کا عام اردو ترجمہ تو " بیماری " یا " روگ " ہی کیا جا سکتا ہے اور خود لفظ " مَرَض " بھی اردو میں مستعمل ہے۔ بلکہ اپنے اصل عربی وزن (فَعَلٌ) اور " تذکیر " (مذکر ہونا) کے ساتھ جیسے ؎ " مَرَض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی " میں آیا ہے۔ البتّہ قرآن کریم میں حسب موقع ــــ اور سیاق و سباق کی روشنی میں ــــ اس کا اطلاق جسمانی اور بدنی یا رُوحانی اور معنوی " بیماری " پر کیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

۲: ۸: ۱ (۸) [**فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا**] یہ ایک مکمل جملہ ہے جو کل پانچ کلمات (اسم، فعل، حرف) پر مشتمل ہے یعنی یہ " فَ " + " زادَ " + " هم " + " اللّٰه " + " مرضًا " کا مرکب ہے۔ جن میں نیا لفظ " زادَ " ہے۔ باقی کلمات (حروف و اسماء) پر پہلے کئی دفعہ بات ہو چکی ہے۔

● کلمہ [زاد] (جو فعل ہے) کا مادہ " ز ی د " اور وزن اصلی " فَعَلَ " ہے جس کی شکل اصلی " زَيَدَ " تھی جس میں یائے متحرکہ اپنے ماقبل کی فتحہ (ـَـ) کے باعث الف میں بدل گئی۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد زاد یزید زیادۃ (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے معنی لازم اور متعدی دونوں ہوتے ہیں یعنی ۱۔ زیادہ ہونا۔ بڑھنا اور ۲۔ (کسی کو) (کوئی چیز) زیادہ دینا یا (کسی کو) (کسی چیز میں) یا (کسی پہلو سے) بڑھا دینا۔

متعدی ہونے کی صورت میں ۱۔ یا تو اس فعل کے دو مفعول آتے ہیں جیسے " زادہٗ درھمًا " (اس نے اس کو ایک درہم زیادہ دیا)۔ ۲۔ یا پھر ایک مفعول کے بعد ایک تمیز آتی ہے جیسے یہاں آیت زیر مطالعہ میں کلمہ " مَرَضًا " ہے ۔۔۔ ۳۔ کبھی ایک مفعول حذف کر دیا جاتا ہے جیسے آیۂ کریمہ " وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ : ۵۸) میں صرف ایک مفعول " محسنین " مذکور ہوا ہے اور ۴۔ کبھی دونوں مفعول بھی حذف کر دیئے جاتے ہیں جیسے " ثم یطمعُ ان اَزِيْدَ (المدثر : ۱۵) میں کسی مفعول کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی اور ہر ایک کی وضاحت اپنے موقع پر ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

قرآن کریم میں اس (فعل ثلاثی مجرد) سے ماضی، مضارع، امر اور نہی کے مختلف صیغے پچاس کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اور مزید فیہ کے صرف باب افتعال سے کچھ صیغے آٹھ جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی مادہ سے کلمات " زیادۃ " (مصدر) دو دفعہ، لفظ " مزید " (اسم مفعول) بھی دو جگہ

d.com

اور " زید " (نام) صرف ایک جگہ آئے ہیں ۔ زیر مطالعہ حصّہ آیت " فزادھم اللہ مرضا " کے لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کے فرق اور اس کی وجہ پر ہم ابھی آگے بحث " الاعراب " میں بات کریں گے ۔ انشاء اللہ ۔

۲ : ۸ : ۱ (۹) [وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ] یہ بھی ایک مکمل جملہ ہے جس میں نیا لفظ " الیم " ہے ۔ " وَ + لَهُمْ + عذاب " پر بات البقرہ : ۷ میں گزر چکی ہے ۔ [دیکھیے : ۔ ۲ : ۶ : ۱ (۶)]

لفظ [اَلِيْمٌ] کا مادہ " ا ل م " اور وزن " فعیل " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " اَلِمَ يَأْلَمُ اَلَمًا (باب سمع سے) آتا ہے ۔ اور اس کے بنیادی معنی ہیں : درد ہونا (مثلاً سر یا پیٹ میں) پھر اس سے اس کا ترجمہ " درد میں مبتلا ہونا ، درد کھینچنا ، دکھ اٹھانا ، دکھ پہنچنا ، تکلیف ہونا ، تکلیف پہنچنا ، بے آرام ہونا " وغیرہ سے کیا جاتا ہے ۔ (یہ تمام معنی مختلف تراجم قرآن پر مبنی ہیں) ۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے دو تین صیغے ایک ہی آیت میں آئے ہیں (النساء : ۱۰۴) ۔ اور جو " درد ، تکلیف یا دکھ " میں مبتلا ہو اسے اَلِمٌ (فَرِحٌ کی طرح) کہتے ہیں ۔ (یہ لفظ (اَلِمٌ) قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا) ۔ بنیادی طور پر یہ فعل (اَلِمَ یالَمُ) لازم ہے ۔ عربی زبان کے محاورے میں بعض دفعہ یہی فعل متعدی کی طرح " درد پیدا کرنا یا دکھ دینا " کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے [۱] تاہم قرآن کریم میں نہ تو اس کا یہ (متعدی) استعمال ہوا ہے اور نہ ہی اس کے مزید فیہ ابواب سے کوئی فعل ۔۔۔

البتہ زیر مطالعہ لفظ (الیم) میں یہ متعدی والے معنی موجود ہیں یعنی " دکھ دینے والا " ۔۔۔ بیشتر اہل لغت نے " الیم " بمعنی " مُؤْلِمٌ " مراد لیا ہے جو اس مادہ سے بابِ افعال ۔۔۔ آلَمَ يُؤْلِمُ اِيْلَامًا ۔۔۔ (دکھ دینا ،

---

[۱] اگر چاہیں تو " اَلِمَ " کے ان معنی اور فعل " رَجِعَ " ، " سَفِهَ " اور " رَشِدَ " کے ساتھ مشابہ استعمال کے لئے کسی اچھی عربی ڈکشنری کی طرف رجوع کریں ۔ " سَفِهَ " پر البقرہ : ۱۳۰ میں بات ہوگی ۔ (ان شاء اللہ)

© rasailojaraid.c

درد پیدا کرنا) سے اسم الفاعل ہے ۔ یہ لفظ (الیم) اپنے وزن "فَعِیْلٌ" کی بنا پر صفت مشبہ ہے ۔صفت مشبہ کا یہ وزن (فعیل) اسم الفاعل اور کبھی اسم المفعول کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے دوسرے اس میں " دوام" اور "لزوم" کا مفہوم ہوتا ہے (جو صفت مشبہ کی ایک خاصیت ہے)۔یعنی یہاں " دائمی دردناک عذاب" کے معنی دیتا ہے۔ راغب اصفہانی نے تو (المفردات میں) وزن " فعیل " میں شدّت کا مفہوم بھی شامل سمجھا ہے ۔یعنی دائمی شدید دردناک عذاب "۔ ویسے خود لفظ " عذاب " میں بھی " سخت سزا " کا مفہوم موجود ہے یہ کلمہ (الیم) مختلف صورتوں میں ستّر سے زائد مقامات پر (قرآن کریم میں) آیا ہے ۔

۲ : ۸ : ۱ (۱۰) [بِمَا كَانُوْا] یہ دراصل بِ + ما + کانوا کا مرکب ہے ۔جس میں " بِ" یہاں سببیت کے لئے یعنی " بوجہ ، کے سبب سے " کے معنوں میں [" باء " (بِ) کے مختلف معانی اور استعمالات پر شروع میں استعاذہ کی بحث میں بات ہو چکی ہے ۔ حکمت قرآن مارچ ۸۹ء ص۴۸] ۔ " ما " یہاں موصولہ ہے بمعنی " جو کہ " [" ما " کے معانی کے لئے دیکھئے ۲ : ۲ : ۱ (۵)]۔ اس طرح " بِما " کا ترجمہ ہو گا " بسبب اس کے جو کہ " یا " اس چیز کے سبب سے جو کہ " ۔ اور

● [كَانُوْا] کا مادہ " ک و ن " اور وزن اصلی " فَعَلُوْا " ہے ۔ اس کی اصل شکل " كَوَنُوا " تھی جس میں " واو متحرکہ ماقبل مفتوح " الف میں بدل جاتی ہے ۔اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " کان یکون کَوْنًا ۔ دراصل کَوَنَ یَکْوُن ۔ باب نصر سے آتا ہے اور اپنے معنی کے لحاظ سے یہ دو قسم کا ہوتا ہے ۔

۱ ۔ کان ناقصہ : اس کے معنی عموماً " ہونا " یا " ہو جانا " (صار کی طرح) ہوتے ہیں۔ یہ (کان ناقصہ) مبتدأ کو (جو اس کا اسم کہلاتا ہے) رفع

d.com

اور خبر کو (جو کان کی خبر کہلاتی ہے) نصب دیتا ہے۔ اور یہ ماضی ہوتے ہوئے بھی کبھی ماضی[1]، کبھی حال[2]، کبھی مستقبل[3] اور کبھی (ماضی، حال اور مستقبل میں) دوام[4] اور استمرار کے معنی دیتا ہے یعنی حسب موقع اس کا اردو ترجمہ "تھا[1]"، "ہے[2]" "ہوگا[3]" اور "تھا، ہے اور رہے گا[4]" سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کا آخری (۴) استعمال اور معنی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے بیان کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً "کان اللہ غفورا رحیما یا علیما حکیما" وغیرہ کی قسم کی تراکیب میں۔ بلحاظ زمانہ باقی تینوں استعمالات (یعنی ماضی، حال یا مستقبل کے معنی دینے) کی مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔ اس لیے یہاں ہم نے ہر ایک معنی کی مثال ساتھ بیان نہیں کی۔

۲۔ کان تامّہ: کبھی یہ فعل ایک مکمل اور مستقل فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا اسم دراصل اس کا فاعل (لھذا مرفوع) ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے کسی خبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور مفعول کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ فعل ہمیشہ لازم کے معنی کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔ کان فعل تام ہونے کی صورت میں محض "ہونا" کی بجائے بعض دیگر افعال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً "ثَبَتَ" (ثابت ہونا، برقرار رہنا)، یا "حَضَرَ" (سامنے آنا یا آجانا)، "وَقَعَ" (واقع ہونا، وجود میں آنا)، "یَنْبَغِی" (مضارع بمعنی موزوں یا مناسب ہونا) اور "أمکن" (ممکن ہونا، قدرت رکھنا) —— ہم نے یہاں "کان" کے ان مختلف افعال کے معنی میں استعمال کی مثالیں عمداً ترک کر دی ہیں۔ جب آگے چل کر اس قسم کی مثالیں ہمارے سامنے آئیں گی تو وہاں ان کی وضاحت کان کے ناقصہ یا تامّہ ہونے کے حوالے سے کی جائے گی۔

"کان" ایک بکثرت استعمال ہونے والا فعل ہے۔ قرآن کریم میں اس کا استعمال زیادہ تر بطور فعل ناقص ہی ہوا ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں یہ بطور فعل تام بھی آیا

© rasailojaraid.c

ہے ۔ قرآن کریم میں اس کے ماضی کے (چودہ صیغوں میں سے) تمام صیغے [ماسوائے تثنیہ حاضر (کنتما)] کے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مضارع اور امر و نہی کے مختلف صیغے بھی بکثرت وارد ہوئے ہیں ۔ مجموعی طور پر یہ فعل اور اس کے مشتقات قرآن کریم میں ۱۳۹۵ جگہ وارد ہوئے ہیں۔

● "کان" کے استعمال کی ایک صورت "ماضی بعید" اور "ماضی استمراری" کے ساتھ ہونے کی بھی ہے ۔ اس میں "کان" کی گردان کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے فعل کے ماضی یا مضارع کی گردان بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے ۔ یعنی اس وقت یہ ایک مرکب فعل کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ اس کی بھی متعدد مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی ـــ بلکہ خود زیر مطالعہ آیت میں "کانوا" اور اس کے بعد آنے والا فعل مضارع (یکذبون) مل کر فعل ماضی استمراری کا کام دے رہے ہیں ۔

● مذکورہ بالا معانی اور استعمالات کے علاوہ "کان" کے بعض محاوراتی استعمال بھی ہیں مثلاً "صار اِلی کان" کے معنی ہیں مَاتَ (مرگیا) ۔ اسی طرح "دخل الامرُ فی خبر کان" کے معنی "مضی" کے ہیں یعنی معاملہ گزر گیا یا "بات پُرانی ہوگئی" ـــ وغیر ذٰلک ۔ تاہم اس قسم کا کوئی استعمال قرآن کریم میں وارد نہیں ہوا ـــ ادبی اور بامحاورہ عربی سیکھنے کے خواہشمند حضرات چاہیں تو اس مقصد کے لیے کسی اچھی عربی ڈکشنری (معجم) سے استفادہ کر سکتے ہیں ۔

۲:۸:۱ (۱۱) [یَکْذِبُوْنَ] کا مادہ "ک ذ ب" اور وزن "یَفْعِلُوْنَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "کَذَبَ یَکْذِبُ کَذِباً (باب ضرب سے)" آتا ہے۔ اور اس کے بنیادی معنی ہیں "جھوٹ بولنا" یا "جھوٹ کہنا" ۔ دانستہ ہو یا غیر دانستہ اس فعل کے استعمال کی کئی صورتیں ہیں :۔

۱ ۔ عام طور پر تو یہ فعل اپنے مفعول (جس سے جھوٹ بولا جائے) کے ذکر کے بغیر ہی آتا ہے جیسے "کَذَبَ" (اس نے جھوٹ کہا) ۔ قرآن کریم میں اس طرح کے استعمال کی چار مثالیں موجود ہیں: (البقرہ : ۱۰ ، التوبہ : ۷۷

یوسف : ۲۷ اور یٰسٓ : ۱۵)۔

۲۔ کبھی یہ اپنے مفعول کے ذکر کے ساتھ آتا ہے جیسے کہیں "کَذَبَہٗ" (اس نے اس سے جھوٹ کہا) ۔قرآن کریم میں اس کی صرف دو مثالیں ملتی ہیں :

(التوبۃ : ۹۰ ، اور النجم : ۱۱)۔

۳۔ کبھی یہ فعل دو مفعول کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ۔مثلاً "کَذَبَہُ الحدیثَ" (اس نے اس سے جھوٹی بات کہی)۔ اس دو مفعول والے استعمال کی قرآن کریم میں کوئی مثال نہیں آئی ۔

۴۔ کبھی یہ فعل مجہول بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہیں "کُذِبَ الرجلُ" (آدمی سے جھوٹی بات کہی گئی) ۔ اس کی بھی صرف ایک مثال قرآن کریم میں آئی ہے

(یوسف : ۱۱۰)

۵۔ اور کبھی یہ فعل "علی" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے ۔اس صورت میں اس کا مفعول ساتھ مذکور ہوتا ہے جیسے کہیں : "کَذَبَ علیہ" (اس نے اس پر جھوٹ بولا ۔یعنی اس کے متعلق وہ بات کہی یا بتائی جو اس میں نہ تھی) ۔ اس استعمال کی بھی قرآن کریم میں چار مثالیں موجود ہیں (الانعام : ۲۴ ، ھود : ۱۸ ، الزمر : ۳۲ و ۶۰)

● زیر مطالعہ لفظ "یکذبون" اس فعل مجرد سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے اور چونکہ اس سے پہلے "کانوا" بھی ہے جس کے ساتھ مل کر یہ پورا فعل یعنی "کانوا یکذبون" ماضی استمراری کا صیغہ بنتا ہے ۔اس لئے اس کا ترجمہ "جھوٹ بولتے تھے ، جھوٹ بولا کرتے تھے یا کہتے تھے" سے کیا گیا ہے۔ البتہ بعض مترجمین نے اس سے پہلے والے حصّہ "بِمَا" (بسبب اس کے جو، اس وجہ سے کہ) کے "مَا" کو مصدریہ مان کر ترجمہ "ان کے جھوٹ بولنے کے سبب" ، "جھوٹ بولنے کی سزا میں" کے ساتھ کیا ہے ۔ گویا بما کانوا یکذبون = بکذبھم ۔

© rasailojaraid.com

قرآنِ کریم میں اس فعل (ثلاثی مجرد) کا مصدر "کِذْبٌ" مختلف صورتوں میں ۳۳ جگہ اور اس کا اسم الفاعل "کاذب" مختلف شکلوں میں ۲۲ جگہ آیا ہے۔ ثلاثی مجرد کے علاوہ اس مادہ (ک ذ ب) سے باب تفعیل کے ماضی مضارع معروف و مجہول کے افعال کے مختلف صیغے ۱۷۰ کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اور ثلاثی اور مزید فیہ کے مصادر اور مختلف اسماء مشتقہ کی مختلف صورتیں (مثلاً کِذّبٌ، کِذّاب، کَذّابٌ، مَکذوب، مُکَذِّبٌ وغیرہ) بھی بکثرت (تقریباً ۲۰ جگہ) وارد ہوئے ہیں۔ ان شاء اللہ ان سب پر حسب موقع بات ہو گی۔

۲ : ۸ : ۲ الإعراب :

یخٰدعون اللہ والذین اٰمنوا ـ وما یخدعون الا انفسھم ـ وما یشعرون ⑨ فی قلوبھم مرض ـ فزادھم اللہ مرضا ـ ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ⑩

یہ قطعہ جو دو آیات پر مشتمل ہے دراصل اس میں چھ جملے شامل ہیں جن کو ہم نے لکھتے وقت ایک مختصر لکیر (ــ) سے جدا کر کے لکھا ہے۔ ان میں سے بعض جملے "وَ" (عاطفہ یا حالیہ) اور "فَ" (عاطفہ) کے ذریعے باہم مل کر ایک مربوط لمبے جملے کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ہر ایک جملے کے اعراب یوں ہیں :۔

[یخادعون] فعل مضارع معروف ہے جس میں ضمیر فاعلین "ھم" بصورت "واو" ("نون" سے قبل) موجود (مستتر) ہے۔ [اس کے تراجم ابھی اوپر ۲:۸:۱(۱) میں بیان ہو چکے ہیں] ـــ یہاں سے ایک نیا جملہ (مستانفہ) شروع ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے پہلی آیت کے خاتمہ پر وقف لازم (م) ڈالا جاتا ہے۔ تاکہ یہ اپنے سے ماقبل جملے کی صفت نہ سمجھا جائے ـــ گویا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب وہ ایمان لائے ہی نہیں (ما ھم بمؤمنین)

تو آخر وہ اپنے آپ کو مسلمان کیوں ظاہر کرتے ہیں (امنا باللہ ...... کہہ کر)
۔ اور جواب ہے وہ دھوکا دینے کے لئے ایسا کرتے ہیں (یخادعون.....)
۔ بعض نحوی حضرات نے اس جملے کو (جو " یخادعون " سے شروع ہوتا
ہے) گزشتہ آیت کے فعل " یقول " (ومن الناس من یقول) کی ضمیر
فاعل (جو بلحاظ معنی جمع ہے)، کا حال قرار دیا ہے اور تقدیر (UNDERSTOOD)
عبارت یوں قائم کی ہے " یقولون مخادعین "۔ یعنی وہ دھوکا دیتے ہوئے
یہ بات کہتے ہیں۔ اس صورت میں آیت (۸) کے آخر پر وقف کرنا درست
نہیں ہے ۔۔۔ تاہم یہ ایک پیچیدہ نحوی تاویل اور دور از کار (FAR FETCHED)
بات ہے۔ پہلی بات (جملہ مستانفہ والی) زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ [اللهَ]
فعل " یخادعون " کا مفعول بہ (منصوب) ہے یعنی " اللہ کو "۔ [والذین]
کی " واو " عاطفہ ہے اور " الذین " اسم موصول ہے جس کا عطف " اللهَ "
پر ہے یعنی یہ بھی منصوب ہے مگر مبنی ہونے کے باعث ظاہراً کوئی اعرابی
علامت اس میں نہیں ہے۔ اس کے بعد فعل [آمنوا] جو فعل ماضی معروف
مع ضمیر فاعلین " ھم " جملہ فعلیہ بن کر " الذین " کا صلہ ہے اور صلہ موصول
مل کر محلاً منصوب ہیں۔ یعنی " (دھوکا دیتے ہیں) ان لوگوں کو جو ایمان لائے "

● [وَ] حالیہ ہے جس کا " درانحالیکہ " ، " حالانکہ " یا " مگر " کے
ساتھ ترجمہ ہو سکتا ہے۔ [مَا] یہاں نافیہ ہے جو اگلے فعل [یخدعون]
پر داخل ہو کر اسے فعل منفی بنا رہا ہے۔ اور اس فعل (یَخْدعون) میں بھی
ضمیر فاعلین " ھم " مستتر ہے۔ یہاں تک کی عبارت (وَمایخدعون)
کا ترجمہ ہوا " اور/ حالانکہ/ مگر/ وہ دھوکا نہیں دیتے "۔ [اِلّا] حرفِ استثناء
ہے مگر اس سے پہلے جملہ منفی غیر تام ہے جس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے۔
اس لئے یہاں [انفسَھم] کا اعراب مفعول بہ ہونے کے باعث نصب
کا ہے جسے نحو کی اصطلاح میں مستثنیٰ مفرّغ کہتے ہیں اور " انفسھمْ " کی آخری

© rasailojaraid.co

"ھم" ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ نفی کے بعد "اِلّا" کا یہ استعمال عبارت میں حصر کے معنی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ ہوگا "صرف اپنی ہی جانوں کو یا اپنے آپ کو ہی" (دھوکا دیتے ہیں)۔ [جملے کے اس حصے کا ترجمہ دیکھئے : ۲ : ۸ : ۱ (۴) کے آخر پر]۔

● [وَ] یہ واو عاطفہ بھی ہوسکتی ہے اور مستأنفہ بھی۔ یعنی یہ اگلا جملہ (وما یشعرون) اپنے سے پہلے جمع (وما یخدعون اِلّا انفسھم) کا ایک حصہ بھی ہوسکتا ہے اور اسے ایک الگ جملہ بھی شمار کر سکتے ہیں۔ تاہم اردو میں اس کا ترجمہ ــ دونوں صورتوں میں ــ "اور" سے ہی کیا جاسکتا ہے کیونکہ اردو میں "اور" استیناف کا کام بھی دے جاتا ہے یعنی اس میں "اور یہ بات بھی تو ہے کہ" کا مفہوم ہوتا ہے۔ [مَا] یہاں بھی نافیہ ہے۔ جس کے بعد فعل مضارع [یَشْعُرُونَ] آرہا ہے جو فعل مع ضمیر فاعلین "ھم" ہے۔ یہاں "یشعرون" کے بعد اس کا مفعول بہٖ محذوف (غیر مذکور) ہے۔ جس کی تقدیر (خودبخود سمجھے جانے والی عبارت) کچھ اس طرح بنتی ہے "وما یشعرون بھذا" یا "وَبَالَ ذٰلکَ"۔ اور ہم ابھی اوپر یہ بیان کر آئے ہیں کہ کس طرح بعض مترجمین نے اس "محذوف مفعول بہٖ" کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض نے اس کے بغیر ترجمہ کیا ہے [دیکھئے ۲ : ۸ : ۱ (۵) میں]

● [فی قلوبِھم] فی + قلوب + ھم کا مرکب ہے۔ اس میں "فی" حرف الجر ہے۔ "قلوبِ" مجرور بالجر ہے اور آگے مضاف ہونے کے باعث "خفیف" بھی ہے۔ یعنی نہ اس کے شروع میں لام تعریف ہے نہ آخر پر تنوین ہے۔ اور آخری "ھُم" ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے جسے ماقبل مکسور کی بناء پہ "ھِمْ" پڑھا جاتا ہے۔ یہ سارا مرکب جاری (فی قلوبھم) خبر مقدم ہے اور [مَرَضٌ] اس کا مبتدأ مؤخر ہے۔ اسی لئے نکرہ اور مرفوع ہے۔ اس طرح (دوسری آیت کے) اس پہلے جملہ اسمیہ کا ترجمہ

id.com

ہوگا۔ " ان کے دلوں میں ایک / کوئی / کچھ بیماری ہے"۔ بعض مترجمین نے " مرضٌ" کی تنکیر (نکرہ ہونا) کو نظر انداز کرتے ہوئے " ان کے دلوں میں بیماری ہے" سے ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ بعض نے " مرض " کی تنکیر کو تفخیم کے لئے سمجھتے ہوئے " بڑا مرض ہے " ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے اس جملہ (فی قلوبھم مرض) کے بعد آگے آنے والے جملہ فعلیہ (فزادھم اللہ مرضا) کے فعل ماضی (" زاد " جس کا بیان آگے آرہا ہے) کو ملحوظ رکھتے ہوئے "..... بیماری تھی یا مرض تھا " کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اسی طرح بعض نے اردو محاورے کا خیال رکھتے ہوئے " ان کے دِل میں " (بصیغۂ واحد) ترجمہ کیا ہے جو اصل عربی عبارت سے ذرا ہٹ کر ہے ــــ البتہ " ان کا دِل بیمار تھا / ہے " کے ساتھ ترجمہ لفظاً اور محاورہ دونوں سے دُور لگتا ہے۔

● [فَزَادَھم] میں فاء (فَ) حرف عطف (بمعنی پس / سو) ہے اور " زاد " فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعل " ھو " ہے۔ اور آخری " ھم " ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے (فعل " زاد " کی)۔ یعنی " بڑھا دیا ان کو " یا " زیادہ دے دیا ان کو " [اللّٰہُ] فعل " زاد " کا فاعل مرفوع ہے۔ یعنی " اللہ نے " [مَرَضًا] فعل " زاد " کا مفعول ثانی (اور لھٰذا) منصوب ہے۔ یہ بات بحث " اللغۃ " میں بیان ہو چکی ہے کہ یہ فعل (زاد یزید) لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور متعدی ہو تو دو مفعول کے ساتھ آتا ہے ــــ اور چاہیں تو اسے (مرضًا کو) تمیز (اور اس لئے) منصوب قرار دے لیں ــــ مفعول ثانی سمجھ کر ترجمہ ہوگا " پس زیادہ دے دی اللہ نے ان کو ایک بیماری " اور تمیز سمجھیں تو ترجمہ ہوگا " پس زیادہ کر دیا اللہ نے ان کو بلحاظ بیماری کے " ــــ ان دونوں بنیادی صورتوں کو سامنے رکھ کر اور اردو محاورے کا لحاظ کرتے ہوئے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ " ان کی بیماری بڑھا دی " " اور " ان کا مرض بڑھا دیا " کیا ہے۔ اسے محاورے کی مجبوری ہی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اصل عربی عبارت میں

© rasailojaraid.com

" مرضھم " تو نہیں ہے ۔ البتہ دو مترجمین نے " زیادہ دے دیا اللہ نے ان کو آزار " اور " بڑھا دیا اللہ نے ان کو مرض / روگ " سے ترجمہ کیا ہے جو لفظی ترجمہ سے قریب تر ہے ۔ محاورے کے لحاظ سے اسے شاید " متروک " کہا جائے ۔

● اور اگر " فزادھم " کی فاء (فَ) کو عطف کی بجائے استیناف قرار دیا جائے (یعنی اسے ایک نئے جملے کا آغاز سمجھا جائے) تو پھر پورا جملہ " فزادھم اللہ مرضا " جملۂ دعائیہ بھی سمجھا جا سکتا ہے ۔ اس لئے کہ عربی میں دعاء بددعاء کے لئے بھی صیغۂ ماضی ہی استعمال ہوتا ہے اور اس وقت جملہ خبریہ نہیں بلکہ انشائیہ ہو جاتا ہے ۔ اور اس صورت میں اس کا ترجمہ ہوگا " سو اور زیادہ بیماری دے ان کو اللہ " یعنی اللہ کرے ان کی بیماری اور زیادہ ہو ۔ یا دوسرے لفظوں میں ــــ " اللہ کرے ان کا مرض اور زیادہ ۔ "

● [وَ] یہاں بھی واو (وَ) کو عاطفہ اور مستانفہ دونوں سمجھا جا سکتا ہے یعنی اس کے بعد والی عبارت ایک لحاظ سے اپنے سے پہلے جملے پر معطوف (اس سے متعلق) بھی ہے اور نحوی لحاظ سے ایک الگ مستقل جملہ بھی ہے ۔ [لَهُم] میں لام (لِ) تو ــــ جو ضمائر کے ساتھ مفتوح (لَ) پڑھا جاتا ہے ــــ حرف الجرّ ہے ــــ اور " ھم " ضمیر مجرور (بالجر) ہے ۔ اور جملے کا یہ حصہ (وَلَهُم) خبر مقدم ہے جب کہ [عذابٌ الیمٌ] صفت (الیم) اور موصوف (عذاب) مل کر مبتدا مؤخر ہے ۔ اور اسی لئے نکرہ اور مرفوع ہے ۔ پورے جملہ کا ترجمہ ہوگا " اور ان کے لئے ہے / ہوگا دکھ دینے والا عذاب ، دکھ کی مار ، دردناک عذاب وغیرہ ۔ [بِمَا] میں باء (ب) جارّہ اور سببیہ ہے جس کا ترجمہ " بسبب یا بوجہ " ہوگا ۔ اور " مَا " اسم موصول مجرور (بالجر) ہے جس کا ترجمہ " وہ جو کہ " ہے ۔ اس طرح " بما " کا پورا ترجمہ " بسبب اس کے جو " یعنی " اس لئے کہ " ہوگا ۔ [کانوا یکذبون] میں اگر تو

d.com

۱۔ کانوا " کو فعل ناقص مانا جائے تو " یَکْذِبُون " فعل مضارع مع ضمیر فاعلین " ھم " پورا جملہ فعلیہ ہو کر اس کی خبر ہو سکتا ہے اس صورت میں اُسے (کان کی خبر ہونے کی بناء پر) محلاً منصوب کہا جائے گا۔ گویا " کانوا کاذبین" کی طرح اس کا ترجمہ " وہ جھوٹے تھے " سے ہو سکتا ہے۔

۲۔ اور اگر " کانوا یکذبون " کو اکٹھا ماضی استمراری کا صیغہ سمجھیں تو معنی ہوں گے: " وہ جھوٹ بولا کرتے تھے "۔ اور دراصل تو یہ ماضی استمراری بھی کان (فعل ناقص) اور اس کی خبر (بصورت فعل مضارع) سے مل کر ہی پیدا ہوتی ہے۔ اصل عربی کتبِ صَرف میں ماضی کی اقسام بیان نہیں ہوتیں۔ یہ صرف فارسی اور اردو گرامر میں بیان کی جاتی ہیں اور ان ہی کی پیروی میں اردو زبان (یا فارسی) میں لکھی گئی کتبِ صَرف میں ماضی کی یہ اقسام بیان کر دی جاتی ہیں حالانکہ بلحاظ بناوٹ اردو فارسی کی ماضی کی بعض اقسام (مثلاً ماضی تمنائی یا ماضی شکیہ) عربی میں کسی طرح فِٹ نہیں آتیں ــــ بہر حال ماضی استمراری (اور ماضی بعید) کی حد تک فعل کی " بناوٹ " ایک قاعدے کے تحت آجاتی ہے ــــ اور شاید اسی لئے اردو مترجمین میں سے اکثر نے یہاں (کانوا یکذبون کا) ترجمہ ماضی استمراری کے ساتھ ہی کیا ہے یعنی " جھوٹ بولتے تھے، جھوٹ کہتے تھے، جھوٹ بولا کرتے تھے "۔

۳۔ اور اگر ابتدائی " مَا " کو (یعنی جو " بما کانوا یکذبون " میں ہے) موصولہ کی بجائے مصدریہ سمجھا جائے تو اس صورت میں " یکذبون " کو " کان " کے مصدر " کَوْن " کی خبر قرار دے کر تقدیر عبارت " بِکَوْنِھم یکذبون " یعنی کاذبین " ہو گی اور لفظی ترجمہ " ان کے " جھوٹ بولتے ہیں " ہونے کی وجہ سے " ہو گا جسے با محاورہ کریں تو بنے گا " ان کے جھوٹے ہونے کی وجہ سے "۔ اردو کے کم از کم چار مترجمین نے " ما " کو مصدریہ مان کر ہی ترجمہ " جھوٹ بولنے " (کی سزا) " جھوٹ

© rasailojaraid.c

بولنے" (کے سبب) کیا ہے اور بعض نے زیادہ ہی بامحاورہ ہونے کے جوش میں " ان کے جھوٹ کا بدلہ " سے ترجمہ کر دیا ہے جو الفاظ کی نحوی ترکیب (اور فقرے کی عربی ساخت) سے ذرا بعید ہی ہے اور صرف مفہوم کے لحاظ سے ہی درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

۲:۸:۳ الرسم :-

یخدعون اللّٰہ والذین امنوا وما یخدعون الّا
انفسھم وما یشعرون ○ فی قلوبھم مرض فزادھم
اللّٰہ مرضا۔ ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ○

بلحاظ رسم عثمانی اس قطعہ آیات میں سے صرف لفظ " یخدعون " قابل ذکر ہے۔ آیت کی ابتداء والا لفظ عام عربی املاء میں " یُخادِعون" لکھا جاتا ہے۔ مگر قرآن کریم میں بالاتفاق حذف الالف (بعد الخاء) کے ساتھ لکھا جاتا ہے اگرچہ پڑھا الف کے اثبات کے ساتھ (یخادعون کی طرح) جاتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ لفظ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ تین جگہ تو " یخدعون " بصیغہ مضارع مرفوع ہے۔ جن میں سے دو بار تو اسی زیر مطالعہ آیت (البقرہ : ۹) میں آیا ہے۔ تیسری جگہ (النساء : ۱۴۲) ہے۔ اور چوتھی جگہ (الانفال : ٦٢) میں یہ لفظ " أن یخدعوك " یعنی مضارع منصوب کی شکل میں (آخری "ن" کے حذف کے ساتھ) آیا ہے۔

● مذکورہ بالا چاروں مقامات پر یہ لفظ بحذف الف (بین الخاء والدال) لکھا جاتا ہے۔ اگرچہ البقرہ : ۹ میں (پہلا لفظ) اور النساء : ۱۴۲ میں بالاتفاق یہ باثباتِ الف (باب مفاعلہ کے مضارع معروف یعنی یخادعون کی طرح) پڑھا جاتا ہے۔ باقی دو جگہوں پر (البقرہ : ۹ کا دوسرا لفظ اور الانفال ۶۲: والا لفظ) قراءۃ حفص کے مطابق بحذفِ الف (بصیغۂ ثلاثی مجرد) پڑھا جاتا

id.com

ہے۔ اور تلفظ کے اس فرق کو ضبط کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ترکی، ایران، اور چین کے مصاحف میں باثبات الف پڑھے جانے والے کلمات کو " یخادعون " لکھنے کا رواج ہے اور یہ متفقہ رسم عثمانی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ برصغیر میں رسم عثمانی کے اہتمام کے ساتھ شائع ہونے والے مصاحف میں اسے بحذف الف (یخدعون) ہی لکھا گیا ہے۔

● زیر مطالعہ قطعہ کے باقی تمام کلمات کی املاء عام رسم معتاد کے مطابق ہی ہے۔ البتہ ان میں سے بعض کلمات کے عثمانی اور املائی رسم کے تعلق کے سلسلے میں دو ایک امور کا ذکر کرنا مناسب ہے از انجملہ :-

۱۔ " الذین " کا صرف ایک لام کے ساتھ لکھا جانا (تفصیل کے لئے دیکھئے ۱:۶:۱(۱)) اور " امنوا " کا صرف ایک الف کے ساتھ (یعنی ابتدائی ہمزہ کے بغیر) لکھا جانا (وضاحت کے لئے دیکھئے ۲:۳:۳ اور ۲:۳:۴ میں "آخرۃ" پر بحث) دراصل رسم املائی پر رسم عثمانی کے اثرات کا ہی ایک مظہر ہے۔

۲۔ کلمہ " عذاب " جہاں جہاں بھی قرآن کریم میں آیا ہے ہر جگہ اسے الف (بعد الذال) کے اثبات کے ساتھ لکھے جانے پر علمائے رسم کا اتفاق ہے بلکہ یہ ان دس کلمات میں سے ایک ہے جن کے بارے میں کتب رسم میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ کلمات قرآن کریم میں ہر جگہ باثبات الف ہی لکھے جائیں گے [۱] اگرچہ اس صراحت کے بغیر صرف ان میں حذف الف کا ذکر نہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہوتا کہ یہ عام رسم املائی کے مطابق باثبات الف ہی لکھے جائیں گے ــــ مگر اثبات الف کی اس تصریح نے تو ان کلمات کی املاء کو قطعی طور پر متعین کر دیا ہے۔

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے دلیل الحیران (للمارغنی) ص ۶۶ یا لطائف البیان (زیتحار) ج ۱ ص ۲۳۔

© rasailojaraid.com

۳۔ کلمات "فزاد" اور "کانوا" میں اثبات الف (پہلے میں "ز" کے بعد اور دوسرے میں "ک" کے بعد) اس املائی قاعدہ کی بنا پر ہے کہ جو "د" یا "ی" کسی صرفی تعلیل کے قاعدے کے تحت "الف" میں بدل جائے تو یہ "الف" کتابت میں محذوف نہیں ہوتا۔ اگرچہ رسم عثمانی ہر جگہ اس قاعدے کا پابند نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح واوالجمع کے بعد ایک زائد الف لکھنا عربی املاء کا عام قاعدہ ہے (جیسے یہاں "امنوا" اور "کانوا" میں ہے) البتہ قرآن کریم میں اس کے استثناء کی بھی چند صورتیں ہیں۔ جن پر اپنے موقع پر بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۸:۴ الضبط

يخدعون الله والذين امنوا ومايخدعون الا انفسهم
ومايشعرون ० فى قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ۔
ولهم عذاب اليم بما كانوا يكذبون ०

قطعہ زیر مطالعہ میں ضبطِ کلمات کے حسب ذیل اختلافات پائے جاتے ہیں:۔

۱۔ ھمزۃ الوصل کی علامت اور اس کا ترک یا استعمال ۔ اس کا نمونہ "الذین" اور اسم جلالت (اللہ) کے ضبط میں ملے گا۔

۲۔ ھمزۃ القطع کی علامت اور ابتداء کلمہ میں اس کا ترک یا استعمال۔ اس اختلاف کا اثر کلمات "امنوا"، "اِلَّا"، "انفسھم" اور "الیم" کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

۳۔ واو ساکنہ ماقبل مضموم پر علامتِ سکون ڈالنے یا نہ ڈالنے کا فرق ۔ اس کا نمونہ کلمات "یخدعون"، "امنوا"، "یشعرون"، "قلوبھم"، "کانوا" اور "یکذبون" میں سامنے آئے گا۔

۴ - یائے ساکنہ ماقبل مکسور پر علامت سکون ڈالنا یا نہ ڈالنا اور ماقبل علامت کسرہ (ـِ) کو بصورت علامتِ اشباع یعنی کھڑی زیر (ـٖ) لکھنا - یہ اختلاف " الذین " ، " فی " اور " الیم " کے ضبط میں ظاہر ہوگا -

۵ - الف ماقبل مفتوح پر علامت فتحہ (ـَ) یا علامتِ اشباع یعنی کھڑی زبر (ـٰ) ڈالنے کا فرق - جو کلمات " ما " ، " اِلّا " ، " فنزاد " ، " عذاب " ، " بما " اور " کانوا " کے ضبط میں واضح ہوگا -

۶ - الف محذوفہ کے ظاہر کرنے کے طریقے کا فرق - اسے آپ " امنوا " اور " یخدعون " کے ضبط میں دیکھیں گے -

۷ - اسم جلالت (اللّٰہ) کے ضبط اور علامت تفخیم کا ترک یا استعمال (یہ علامت صرف تجویدی قرآن مطبوعہ پاکستان میں استعمال کی گئی ہے) -

۸ - واو الجمع کے بعد والے الف پر علامت زیادۃ یا تنسیخ کا استعمال یا اس کا ترک کرنا - اس اختلاف کا اثر کلمات " امنوا " اور " کانوا " کے ضبط میں نمایاں ہوگا -

۹ - تنوین کے نون ملفوظی کا اقلاب بمیم (جب اس کے بعد " ب " ہو تو) ظاہر کرنے کے طریقے کا فرق " الیم بما " کے ضبط میں نظر آئے گا -

۱۰ - نون ساکنہ مخفاۃ (اخفاء والے ساکن نون - نکتوبی) کی علامت اخفاء کا فرق - عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں نون مخفاۃ کو علامتِ سکون سے خالی رکھا جاتا ہے - تمام مشرقی (ایشیائی) ممالک میں نون مخفاۃ اور نون مظہرہ کے ضبط میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا - البتہ چین میں نون مخفاۃ پر تین باریک نقطے بھی (علامتِ سکون پر) ڈالے جاتے ہیں - صرف پاکستانی تجویدی قرآن (مطبوعہ لاہور) اور مصحف الحلبی (مطبوعہ القاھرہ) میں ساکن نون کے اخفاء کو ظاہر کرنے کے لئے ایک خاص علامتِ سکون استعمال کی گئی ہے یعنی (ـۡ اور ـْ) - اس اختلاف کو آپ کلمہ " انفسھم " کے ضبط

© rasailojaraid.com

یں ملاحظہ کریں گے ۔

۱۱ ۔ تنوین اخفاء اور تنوین اظہار میں فرق اور تمیز کرنا یا نہ کرنا یہ فرق بھی صرف عرب اور افریقی ممالک میں ملحوظ رکھا جاتا ہے یا پاکستانی تجویدی قرآن میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے ۔ چین میں تنوین اظہار کے لئے نیچے ایک باریک سا "ن" اور تنوین اخفاء کے لئے اوپر تین باریک نقطے لگا دیتے ہیں ۔ تنوین اخفاء کا نمونہ کلمات " الیم " ، " مرض " اور " مرضا " میں نظر آئے گا ۔ اور تنوین اظہار کا استعمال کلمہ " عذاب " کے ضبط میں سامنے آئے گا ۔

۱۲ ۔ حرف مدغم (جب الگ کلمہ میں ہو) پر علامت سکون ڈالنے نہ ڈالنے کا فرق ۔ یہ آپ کو " قلوبھم مرض " کے ضبط میں نظر آئے گا ۔

۱۳ ۔ نون متطرفہ کو علامتِ اعجام (نقطے) سے خالی رکھنے کا فرق کلمات " یخدعون "، " الذین " ، " یشعرون " اور " یکذبون " میں ظاہر ہو گا ۔

۱۴ ۔ " ف " اور " ق " کے طریقِ اعجام کا فرق کلمات " فی " ، " قلوبھم " اور " انفسھم " میں دیکھیں گے ۔

۱۵ ۔ " ہ " کی تفخیم یا ترقیق کے لئے دو مختلف صورتوں میں (" ہ " یا " ر ") لکھنے کا اہتمام بھی صرف تجویدی قرآن میں کیا گیا ہے ۔ اسے آپ قطعہ زیر مطالعہ کے " ہ " والے کلمات میں ملاحظہ کریں گے ۔

● یوں مجموعی طور پر اختلافِ ضبط کے حسب ذیل نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں :۔

يُخَٰدِعُونَ ، يُخَٰدِعُونَ ، يُخَٰدِعُونَ

اللّٰهَ ، اللّٰه ، ٱللَّهَ ، اللَّهَ

وَالَّذِينَ ، الَّذِينَ ، ٱلَّذِينَ ، الَّذِينَ

اٰمَنُوا ، اٰمَنُوا ، ءَامَنُواْ ، آمَنُواْ ۔ وَمَا ، مَا

aid.com

يَخْدَعُوْنَ ، يَخْدَعُوْنَ ، يَخْدَعُوْنَ ۔

اِلَّآ ، اِلَّا ، اِلَّآ ، اِلَّآ ۔

اَنْفُسَهُمْ ، اَنْفُسَهُمْ ، اَنْفُسَهُمْ ، اَنْفُسَهُمْ

اَنْفُسَهُمْ ، اَنْفُسَهُمْ ۔ وَمَا ، مَا ۔

يَشْعُرُوْنَ ، يَشْعُرُوْنَ ، يَشْعُرُوْنَ ۔

فِيْ فِيْ فِيْ ۔

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ، قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ،

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ، قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔

فَزَادَ ، فَزَادَ ، فَزَادَ ۔

هُمُ اللّٰهُ ، اللّٰهُ ، اللّٰهُ ، اللّٰهُ ۔

مَرَضًا ، مَرَضًا ، مَرَضًا ۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ ، عَذَابٌ ، عَذَابٌ ، عَذَابٌ ۔

اَلِيْمٌ بِمَا ، اَلِيْمٌ بِمَا ، اَلِيْمٌ بِمَا ۔ اَلِيْمٌ بِمَا

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ، كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ، كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ،

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر طاہر سعید کے نام
(۷)
ڈاکٹر حافظ محمد مقصود

اسلامی دُنیا کا خدا سے باغی نظامِ تعلیم

اب آیئے اُس بے خدا اور طاغوتی نظامِ تعلیم پر ایک نگاہ دوڑا لیتے ہیں جو مغرب کے فرنگی آقاؤں نے بظاہر ایک خوشنما مگر فی الواقع ایک مہلک ہتھیار بنا کر ہمارے سیاست کار لیڈروں کے ہاتھوں میں تھما دیا اور پھر ان اسلامی سیاست کاروں اور عیّار رہنماؤں نے بے خدا نظامِ تعلیم کی اسی تیزاب میں مسلمان نسل کی خودی کو ڈال کر کسی بھی جانب مُڑ جانے اور بدترین بندگی و غلامی کے کسی بھی منحوس شکنجے میں بآسانی اور برضا و رغبت ڈھل جانے کے لیے حد درجہ نرم و ملائم بنا دیا۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اِسے پھیر!
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہے تو مٹی کا ہے اِک ڈھیر

اُنھیں خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام کی دوبارہ اٹھان یا نشأۃ جدیدہ میں مسلمان نوجوانوں کا کتنا بڑا اور فیصلہ کن ہاتھ ہے۔ چنانچہ برِصغیر پاک و ہند کی اسلامی کٹھ پتلیوں کی مدد سے فرنگیوں نے مسلمان نوجوانوں کے اذہان و قلوب کا "CLEAN UP OPERATION" کرنے، اُنھیں زبان و ضمیر کا تعلق توڑنے اور روحِ دین سے برگشتہ اور فسق و فجور میں سرگشتہ کرنے کے لیے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی شکل میں جدید قربان گاہیں اور ماڈرن قتل گاہیں قائم کیں۔ اس دردناک حقیقت پر اکبر الٰہ آبادی نے کیسے لطیف پیرائے میں

.com
aid.com